U73716

24 - 12 - ..

Title - MAJMUA KALAAM JOHAR ; JIS MEIN MAULANA MOHAMMAD ALI JOHAR KA TAQREEBAN TAMAM KALAAM SHAMIL HAI

Creator - Abdul Majid.

Publisher - Matba Millia (Aligarh).

Date - N.A.

Pages - 45

Subjects - Majmua Kalaam - Mohd. Ali Johar; Kulliyaat-o-Dawaween - Johar.

مجموعہ کلام جوہر

مطبع ملّیہ علی گڑھ

لیتھوا ورٹائپ میں ہر قسم کا کام نہایت خوبی و عمدگی سے کرتا ہے جس کے نمونے آپ مطبوعات جامعہ میں ملاحظہ فرمائینگے۔ اس کے علاوہ انگریزی ہندی۔ اُردو۔ عربی کا کام بھی خاص اہتمام اور نہایت سلیقہ سے ہوتا ہے۔ چنانچہ بعض بلند پایہ علمی کتابیں ان زبانوں میں مطبع ہذا سے شائع ہوئی ہیں۔

ہر قسم کے بلاک اور ربڑ کی مہریں

ہمارے مطبع کی خصوصیت ہیں یعنی بہترین کام اور مناسب قیمت پر ہاف ٹون اور لائن بلاک حروف تیار کیے جاسکتے ہیں

خط وکتابت بنام منیجر مطبع،

اللہ اکبر

مجموعہ کلام جوہر

جسمیں مولانا محمد علی مدظلہٗ کا تقریباً تمام کلام شامل ہے

مع مقدمہ

از

جناب مولوی عبدالماجد صاحب بی۔اے

طبع ثانی

28th Oct. 1921

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جوہر
اور ان کی شاعری

(اثر :- عبد الماجد)

کارساز عالم کی کارسازیوں میں شاید سب سے عجیب تر حقیقت یہ ہے کہ کائنات کے اہم ترین حوادث و نتائج کے وجود کا ذمہ وار ایسے ذرائع و اسباب کو بنایا جاتا ہے، جو بہ ظاہر ان کے قطعی منافی اور عقل بشری کے اعتبار سے بالکل بعید از قیاس ہوتے ہیں۔

بجلی کا خزانہ پانی کے دھارے میں مخفی نکلتا ہے۔ آتش سوزاں کے شرارے ہری ہری شاخوں کی رگڑ سے پیدا ہوتے ہیں۔ خلیل بت شکن کی صدائے توحید بت پرستی کے مرکز سے بلند ہوتی ہے۔ فرعون کی خدائی کا تختہ اُلٹنے والا، مفتوح و بے بس رعایا کا ایک معمولی فرد ثابت ہوتا ہے، آزادی کی شعاعیں استبداد کی گہری تاریکیوں سے پھوٹ کر نکلتی ہیں عقل فرنگ و تمدن جدید کا سر بفلک بتکدہ مسمار کرنے کے لیے وہ جوان ہمت (گاندھی) تیشۂ جہاد ہاتھ میں لیکر اٹھتا ہے، جس نے فرنگیت کی فضا میں آنکھیں کھولیں اور مغربیت کے آغوش میں تربیت پائی۔ مادیات و روحانیات، جسمانیات و اخلاقیات، حیوانیات و بشریات

کائنات کے ہر ہر شعبہ میں اسی قانون کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ یہیں سے
قائل کے اس قول کی تصدیق ہوتی ہے، کہ "ہماری گھاتیں زبردست
اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْن اور ہماری ترکیبیں استادانہ ہوتی ہیں"۔ اور یہیں
یہ درس حقیقت ملتا ہے، کہ تعقل بشری سے ماورا، اور انسانی ادراک
سے مافوق کوئی اور ہستی ہے، جسکی چالیں بڑی ہی شاطرانہ ہیں جسکی
استادی و خوش تدبیری کے سامنے ہمارے بڑے سے بڑے عقلا
دنگ، بڑے سے بڑے مدبرین حیران، اور بڑے سے بڑے استادان
کار کو قدم قدم پر اپنی شکست کا اعتراف، اور اپنی درماندگی
ومکروا ومکراللہ واللہ خیر الماکرین درماندگی اور بے بسی کا اقبال
کرتے ہی بنتا ہے۔
یہ اسی "لطیف" و "خبیر" صناع کی صنعت گری تھی، جس نے بیسویں
صدی عیسوی کی روشن خیال، علم پرور، و شائستگی نواز دنیا کو ایک
بار پھر صحابہ کرامؓ کے صدق عمل، خلوص قلب و پختگی ایمان کا زندہ نمونہ دکھا
دیا۔ اور اس غرض کے لیے انتخاب ایسے شخص کا کیا، جس کی ولادت
مادیت کی زمین پر ہوئی، جسکی رضاعت دایہ تجربیت نے کی، اور جسکی
ایک عمر اس طرح گزری، کہ ہر ہر سانس فرنگیت کی فضا میں آتی اور جاتی تھی، ورنہ
چند سال پیشتر کس انسانی دماغ کو یہ اندازہ ہو سکتا تھا، کون عقل بشری

یہ پیش بینی کر سکتی تھی کہ علیگڑھ کالج کی روشن خیالی فرنگی محل کی مولویت کے ہاتھ پر بالآخر بیعت کرے گی۔ انگریزی زبان کا سحر نگار انشا پرداز اپنے بہترین اوقات کو حفظ قرآن کے لیے وقف کریگا۔ مارگولیس کا شاگرد شہنشاہ کونین کے عشق میں بلال و اویس رضی اللہ عنہم کے جوش جنون کی یاد تازہ کریگا، مل، مارلی گلیڈسٹن و بریڈلا کے مدرسۂ تحقیق کے فاضل کو قصباتی قوالوں کی "غیر مہذب" صدائیں رقص و وجد میں لائینگی۔ اکسفرڈ کا آنرزمین گریجویٹ سلسلۂ عالیہ قادریہ کی غلامی پر فخر کرے گا۔ نفیس اور بیش بہا سوٹ پہننے والا جیلخانہ کی پھٹی پرانی، میلی کچیلی کملی شوق سے اوڑھیگا، مخمل کے کوچ اور پُر تکلف مسہری پر لیٹنے والا، کھُرّی زمین کے مرطوب فرش پر جاڑے ہنسی خوشی کاٹ دیگا۔ اور صوبہ کے گورنروں پارلیمنٹ کے ممبروں، اور امرا ہند و انگلستان کا وہ عزیز دوست جسکا ایک دن بھی بغیر سرکاری ضیافتوں اور پارٹیوں کے بمشکل گزرتا تھا وہ ایک دو وقت نہیں، مدتوں وہ غذا کھائیگا اور کھا کر رزاق مطلق کا شکر ادا کریگا جس کی جانب انسان تو انسان ہے، ان حکام والا مقام" و "امرا نامدار" کے کتے بھی شاید رُخ نہ کرتے!

انسانی عقل و فہم کو یہ قلب ماہیت، یہ تغیر حال، بیشک عجیب معلوم ہوتا ہے، لیکن کیا اُس ذات کے لیے یہ کچھ بھی عجیب ہے، جو ہر لحظہ و ہر

ساعت، موت کو زندگی، پستی کو بلندی، جمود کو حرکت، ضعف کو قوت، مرض کو صحت، ضلالت کو ہدایت، تشنگی کو آسودگی، خندۂ غفلت کو گریۂ عبرت، واہ کو آہ، ساز کو سوز، اضطراب کو تسکین میں تبدیل کرتی رہتی ہے۔

جوہر کی شاعری اُن کے قلب کی زبان، اُن کے جذبات کی ترجمان، ان کے واردات کا بیان ہے۔ آورد، تصنع و تکلف کا ان کے ہاں گزر نہیں۔ ان کے قلب پر جو کچھ گزرتی رہتی ہے، وہ بلاتکلف زبان قلم پر آجاتی ہے۔ اپنی سیر باطنی میں وہ جن جن مقامات و منازل سے گزرتے رہتے ہیں۔ الفاظ موزوں میں اُنھیں کا عکس ان کی زبان کھینچ دیتی ہے۔ تاثیر اس طرز سخن کا لازمی نتیجہ ہے۔ اور یہ وصف ان کے کلام میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ اہل ذوق کو انکا ایک ایک شعر تاثیر میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے۔ حکیم شیراز نے صدیوں پیشتر کہا تھا کہ "آنچہ از دل خیزد بر دل ریزد" یہ قول جوہر کے کلام پر حرف بحرف صادق آتا ہے ان کی ہر آواز دل سے اُٹھتی ہے، اور اسی لیے دل ہی پر جاکر بیٹھتی ہے۔

ان کی شاعری گل و بلبل، زلف و کاکل، خط و عارض سے

بکسر تہی مایہ ہے۔ ان کا کلام ایک حقیقی مسلم کا کلام ہے۔ ان کے
جذبات تمام تر وہ ہیں جو ایک مومن صادق کے ہونے چاہییے۔
بے شبہ ان کی شاعری بھی چاشنئ عشق سے بیگانہ نہیں بلکہ
سچ یہ ہے کہ عشق کی کسک انکے ایک ایک مصرعہ میں موجود ہے
البتہ انکا معشوق نہ ایران کا "سبز خط" ہے نہ ہندوستان کا "بت سیمیں
بدن"۔ نہ اس کی کمر معدوم ہے نہ اس کا دہن غائب۔ نہ اس کے ہاتھ
میں خنجر شمشیر" اور نہ وہ بریلی کے سرمہ مسّی کا قدردان ہے۔ انکا
معشوق ان تمام مزخرفات سے ارفع و منزہ ہے۔ انکا معشوق مُردہ
نہیں زندہ ہے۔ فانی نہیں باقی ہے۔ سفاک ستمگر نہیں رحمٰن و رحیم ہے
ان کا محبوب وہ ہے جو ہر مسلم بلکہ ہر سلیم الفطرت انسان کا ہوتا ہے

وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِّلَّهِ۔ (بقرہ۔ع۔۲۰)

(اہل ایمان تو معشوق حقیقی پر دل و جان سے فریفتہ رہتے ہیں)

ان عاشقوں کا ایک پیشوا سات سو سال ادھر یہ تعلیم دے گیا ہے

جملہ معشوق است و عاشق پردۂ — زندہ معشوق است و عاشق مردۂ
عشقہائے کز پئے رنگے بود — عشق نبود عاقبت ننگے بود
زانکہ عشق مردگان پایندہ نیست — چونکہ مردہ سوئے ما آیندہ نیست
عشق زندہ در روان و در بصر — ہر دمے باشد ز غنچہ تازہ تر

عشق آں زندہ گزیں کو باقی ست | وز شراب جانفزایت ساقی ست
عشق آں بگزیں کہ جملہ انبیا | یافتند از عشق او کار و کیا
عشق بر مُردہ نہ باشد پایدار | عشق را بر حی و بر قیوم دار

اس عشق کا دوسرا نام ایمان کامل ہے، اور جوہر کا کلام انھیں جذبات ایمانی کا مرقع ہے۔ کہیں وہ اپنے محبوب کے حسن و جمال کا بیان کرتے ہیں کہیں لذتِ عشق کی کیفیت کو الفاظ سے ادا کرنا چاہتے ہیں اور کہیں راہ عشق کی دشواریوں اور سختیوں کی داستان مزے لے لیکر سنانے لگتے ہیں۔

ان کی پہلی نظربندی (۱۹۱۵ء تا ۱۹۱۷ء) انکے حق میں اکسیر ثابت ہوئی۔ اوہام کا زنگ دور ہو گیا حجابات اُٹھنے لگے، اور نظارۂ جمال کسیقدر بے پردہ ہونے لگا ذیل کے صاف و سادہ اشعار میں ذرا دیکھنا کس مزے سے اپنی آپ بیتی سناتے ہیں۔

تشنہ لب ہوں مدتوں سے دیکھیے | کب درِ میخانۂ کوثر کھلے
رات تہجد تک نہ چھوڑی تب کہیں | راز ہائے بادہ و ساغر کھلے
رونمائی کے لیے لایا ہوں جاں | اب تو شاید چہرۂ انور کھلے
یہ نظربندی تو نکلی ردِّ سحر | دیدہ ہائے ہوش اب جاکر کھلے
اب کہیں ٹوٹا ہے باطل کا طلسم | حق کے عقدے اب ہمیں پر کھلے

اب ہوا ہے ماسوا کا پردہ فاش　　معرفت کے اب کہیں دفتر کھلے

فیض سے تیرے ہی اے قیدِ فرنگ　　بال و پر نکلے قفس کے در کھلے

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر　　مر کے جوہرؔ آپ کے جوہر کھلے

(آخری شعر میں زندگی سے مراد مادیت و عقلیت کی زندگی ہے۔ یعنی جب جوہر کی یہ عقلیت و مادیت کی زندگی فنا ہو چکی۔ اسوقت جاکر جوہر اصلی کھلنا شروع ہوئے۔)

عشق کا کمال یہ ہے، کہ اپنی شخصیت کو معشوق کی شخصیت میں بالکل فنا کر دیا جائے طالب اپنی ذاتی خواہش و ارادہ کو مٹا کر اپنے تئیں بالکل مطلوب کے ہاتھ میں دیدے۔ جو کچھ دیکھے، اس کی آنکھوں سے دیکھے جو کچھ سنے، اس کے کانوں سے سنے جو کچھ کہے، اس کی زبان سے کہے اس کی راہ کی ہر مصیبت کو عین راحت سمجھے اپنی آسائش، عزت ناموس، بلکہ زندگی تک کو اس کی خوشی پر قربان کر دے ہمت و استقامت کا سر رشتہ ہاتھ سے نہ دے۔ اُس کی توفیق اور اپنے خلوص نیت پر اعتماد رکھے جوہرؔ ان تمام مراتب کی تشریح کرتے ہیں۔

تسلیم و رضا کا شیوہ ایسا ہے، جو ہر تلخ کو شیریں، ہر مصیبت کو راحت، ہر آگ کو پانی بنا دیتا ہے۔ ؎

ہر رنگ میں راضی بہ رضا ہو تو مزا دیکھ　　دنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

تمام گذشتہ عاشقوں کی سرگزشت اسی تجربہ کی تائید میں ہے۔
ان کی مثال سے تو گرفتارِ محبت کو ہمت کا سبق لینا چاہیے۔ ـــہ

ہے سنتِ اربابِ وفا صبر و توکل تو چھوٹے کہیں ہاتھ سے دامانِ رضا دیکھ

دنیا کے سب سے بڑے عاشقِ کامل، کی نظیر سب سے
زیادہ سبق آموز و ہمت افزا ہے۔ ـــہ

دشتِ رہِ غربت میں اکیلا تو نہیں تو بطحا کے مہاجر کا تو نقشِ کفِ پا دیکھ

اگر اُدھر سے توفیق شاملِ حال ہو جائے، تو ایک مشتِ پر میں خدائی
کی قوت پیدا ہو سکتی ہے۔ انسان کا اپنی کمزوری کا عذر پیش کرنا۔
ضعفِ ایمان۔ خامیِ عشق کی دلیل ہے۔ ـــہ

تو طیرِ ابابیل سے ہرگز نہیں کمزور تو بیچارگیِ پا پہ نہ جا شانِ خدا دیکھ

اس طرزِ زندگی میں جو لطف ہے، اُسے کچھ وہی خوب جانتے ہیں جن
پہ گزر رہی ہے ـــہ

اس طرح کے جینے میں ہی مرنے کا مزا ہے تو قسمت میں یہی ہے کہ ابھی راہِ قضا دیکھ

مظلوم و جانبازِ حسینؑ ابنِ علیؑ کے رنگِ مقبولیت کو دیکھنا، اور پھر
ذرا اس کا مقابلہ ظالم و خود پرست یزید کی ملعونیت سے بھی کرنا!
خلیلؑ بت شکن و اسمٰعیلؑ ذبیح سے لیکر منصور و سرمد تک ہزارہا عشاق
سر بکف نظر آ رہے ہیں، اور مقتل کی دلکشی ہے کہ روز بروز بڑھتی جاتی

ہے۔ ۵

اللہ کے بندوں کا بھی ہے رنگ نرالا دیکھ اس سادگی پر شوخیٔ خون شہدا دیکھ

اس دربار میں نذر مقبول صرف خلوص نیت و صدق عمل کی ہوتی ہے۔ ملمع کے سکوں کا اس دیار میں چلن نہیں ۵

ہو حسن طلب لاکھ، مگر کچھ نہیں ملتا دیکھ ہو صدق طلب پھر اثر آہ رسا دیکھ

دشمنان ایمان و منکرین عشق کو کیا خبر کہ "نظر بندی" نے کس طرح فاسق کو عارف، کور کو بینا۔ اور کثیف کو لطیف بنا دیا ہے۔ ثبت کے بندہ کو اب اپنے اللہ کے بندہ ہونے کا احساس ہوگیا ہے۔ اور اس احساس عبدیت نے اس کی جنبش لب اور عرش اعظم کے درمیان وہ سلسلۂ ربط قائم کر دیا ہے جس کی دید سے عقل و علم کی آنکھیں محروم ہیں ۵

ہوں لاکھ نظر بند و عائد نہیں ہے کیا اللہ کے بندوں کو نہ اس طرح ستا دیکھ

تعزیرات حکومت و ضوابط استبداد کی عمر کتنی؟ "برگردن او بماند و بر ما بگذشت"۔ البتہ عاشق کی زندگی دامان ابد سے بندھی ہوئی ہے۔ یزید کے جاہ و اقتدار کی خاکستر تک چشم زدن میں اڑ گئی۔ حسینؑ کے خون کی ہر بوند

ہو تیری دورروزہ مرا پیماں ہے ازل کا دیکھ پابند جفا تو ہے تو میری بھی وفا دیکھ

جادۂ عشق کو چھوڑ کر راہ ہوس پرستی پر چلنے والوں کا تجربہ یہ ہے، کہ ایسی "سبز باغ" پر بہار کا سایہ ہی نہیں پڑنے پاتا، اور یاس و حرماں سے کے

سموم آتشین کی لپٹیں دائمی طور پر اس کے نصیب میں رہتی ہیں ۔

عقبیٰ تو کہاں وہاں نہیں دنیا کا بھی کچھ ٹھیک، اُس کا قرب نفیض ہے دل تو بھی لگا دیکھ

لھم فی الدنیا خزی و لھم فی الآخرۃ عذاب عظیم (بقرع ۱۴)

یہ ایک غزل کے چند اشعار تھے ۔ اب ایک اور غزل ملاحظہ ہو ۔

بے بصروں کے لیے موت سے بڑھکر کوئی دردانگیز واندوہناک واقعہ تصور میں بھی نہیں آسکتا ۔ اس سے بچنے کے لیے ہر ممکن تدبیر، ہر امکانی احتیاط عمل میں لائی جاتی ہے لیکن لذت آشنایان عشق جانتے ہیں کہ راہ حق میں شہادت حیات جاودانی کے مرادف ہے اور اگر شوق بقا ہے، تو پہلے اپنے تئیں اس راہ میں فنا کرکے دیکھنا چاہیے ۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۔

(آل عمران ۔ ع ۱۷)

جوہر کو اس وعدۂ الٰہی پر اعتماد کامل ہے ۔ اور وہ اس تیقّن کے ساتھ جو ایمان کامل ہی سے پیدا ہو سکتا ہے، فرماتے ہیں ۔ ؎

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لیے ہے، پر غیب سے سامانِ بقا میرے لیے ہے

سرخ رُو و سرخ پوش شہید دشت کربلا کا خونچکاں کفن ان کے دامن دل کو کھینچ رہا ہے ۔ ؎

پیغام ملا تھا جو حسین ابن علی کو ٭ خوش ہوں وہی پیغام قضا میرے لئے ہے

شہدا راہ حق کے مرتبہ کا کیا پوچھنا۔ نطق بشری بیان سے عاجز ہے۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللّٰهِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ؁ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ط (توبہ - ۳)

رضائے الہی کا درجہ تو الگ رہا ادنی رتبہ یہ ہے کہ میدان جنگ میں قدم رکھتے ہی حوران جنت کا پیام آرزو پہنچنے لگتا ہے ؎

یہ حور بہشتی کی طرف سے ہے بلاوا ٭ لبیک کہ مقتل کا صلا میرے لئے ہے

کامریڈ کے ایڈیٹر کے لیے دنیوی ترقی کے بہتر سے بہتر مواقع موجود تھے۔ ہندوستان کا ذکر نہیں، انگلستانی صحافت میں بلند سے بلند کرسی ادارت اس کے لیے خالی تھی، مناصب سرکاری میں بڑی سے بڑی رفعت اس کے لیے چشم براہ تھی۔ عزت، ثروت، اقتدار، وجاہت، کے اصنام کبیرہ نے قدم قدم پر اسے لبھایا، لیکن اس کشتۂ عشق نے ماسوا کی جانب نظر اٹھانا بھی گناہ سمجھا، اور سارے رشتے توڑ صرف ایک کا ہو رہا۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں را چہ کند ٭ فرزند و عیال و خان و ماں را چہ کند

دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی ۔ دیوانۂ تو ہر دو جہاں را چہ کند

جو ہر کی شخصی زندگی سے واقفیت رکھنے والے خدائے حاضر و ناظر کو درمیان ڈال کر اس امر کی شہادت دے سکتے ہیں کہ ذیل کے اشعار سخن گوئی، لفظ تراشی، و قافیہ پیمائی کے نتائج نہیں بلکہ "آپ بیتی" کے چند ابواب ہیں مفروضات نہیں واقعات ہیں اور اس زندگی کے واقعات جو اب حسبنا اللہ ونعم الوکیل کے ماتحت بسر ہو رہی ہے

میں کھو کے تری راہ میں سب دولت دنیا ۔ سمجھا کہ کچھ اس کے بھی سوا میرے لیے ہے[1]

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے ۔ یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے[2]

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف ۔ کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے[3]

حق گوئی و حق پرستی کا صلہ یوم آخرت کے لیے مخصوص نہیں، بلکہ

---

[1] اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُکُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَلَکُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُکُمْ وَلَکُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ (حم سجدہ - ۴)

[2] الذین یبلغون رسلت اللہ ویخشونہ ولا یخشون احدا الا اللہ وکفی باللہ حسیبا (احزاب ع ۵)

[3] فمن یؤمن بربہ فلا یخاف بخسا ولا رھقا (جن ع ۱)
وینجی اللہ الذین اتقوا بمفازتھم لا یمسھم السوء ولا ھم یحزنون (زمر ع ۶)

اس نسیہ کے ساتھ کچھ قیمت نقد بھی وصول ہو جاتی ہے۔ صدق مطلق کا وعدہ ہے۔ لِلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا فِیْ ھٰذِہِ الدُّنْیَا حَسَنَۃٌ وَلَدَارُ الْاٰخِرَۃِ خَیْرٌ (نحل ۴۰) البتہ یہ اور بات ہے، کہ کبھی کبھی یہ انعام و امتیاز دار و رسن و سلاسل زنداں کی شکل میں جلوہ گر ہوتا ہے۔ بہرصورت جو سر کا ذاتی تجربہ تو یہ ہے۔ ؎

انعام کا عقبیٰ کے تو کیا پوچھنا لیکن ۔۔۔ دنیا میں اس ایماں کا صلہ میری لئے ہے

حُسن مطلق نے جب مرتبۂ اطلاق سے قید و تعین میں آنا چاہا تو اپنا مظہر اتم اُس ہستی بشری کو بنایا جسے ہم خاتم رسالت صلعم و سرور کونین کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ یہ ذات اقدس، ذات باری ہی کی طرح، اپنی فیض رسانی و منبع خلائق ہونے میں ہمہ گیری و معیت جامع کی حیثیت رکھتی ہے۔ اور کائنات کا ذرہ ذرہ اسی آفتاب سے اخذ نور کرنے پر مجبول ہے۔ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰہُ مِیْثَاقَ النَّبِیّٖنَ لَمَآ اٰتَیْتُکُمْ مِّنْ کِتٰبٍ وَّحِکْمَۃٍ ثُمَّ جَآءَکُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَکُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِہٖ وَلَتَنْصُرُنَّہٗ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ ط قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا قَالَ فَاشْھَدُوْا وَاَنَا مَعَکُمْ مِّنَ الشّٰھِدِیْنَ (آل عمران ۔ ۹)

خواجۂ کونین و سلطان ہمہ   آفتاب جان و ایمان ہمہ
خواجگیٔ ہر دو عالم تا ابد   کرد وقف احمدِ مرسل احد

اس کی اطاعت عین اطاعت خدا، اس کی محبت عین محبت حق، اس کا عشق عین عشق الٰہی ہے، بلکہ سچ یہ ہے کہ عشق الٰہی کی دستاویز مستند ہی نہیں قرار پا سکتی، جب تک اس پر عشق رسولؐ کی مُہر ثبت نہ ہو۔

درمقامِ لِی مع اللہ از کمال اتصال
از خدا نبود جُدا ہمچوں شعاع از آفتاب

جوہر کا دماغی نشو و نما اس فضا میں ہوا، جہاں اس سردار دو عالم صلعم کی حیثیت زیادہ سے زیادہ ایک نیک نیت مصلح قوم کی تھی، جس طرز کے مصلح ہر زمانہ میں ہر ملک و ہر قوم میں پیدا ہوتے رہتے ہیں بلکہ اکثر "روشن خیال" محققین کے نزدیک تو (نعوذ باللہ) اس سے بھی پست تر تھی۔ جوہر کی فطرت سلیم و ذوق ایمانی کا کمال یہ ہے کہ [۱] اس فضا میں سالہا سال تک سانس لیتے رہنے کے باوجود اس زہر کے اثر سے بالکل محفوظ رہے اور طوفان "عقلیت" کے شدید جھونکوں کے درمیان بھی، ان کے گوشۂ قلب میں محبت رسولؐ کا نورانی نورانیت و ضو میں برابر ترقی کرتا رہا، تا آنکہ ایک عالم

[۱] اس عنصر سے پوری طرح نشو و نما حاصل کر کے ۱۹۱۰

اس کی ضیاگستری سے منور ہو کر رہا۔
سنہ ۱۹۱۶ء میں راقم سطور کا ایک فلسفیانہ رسالہ انگریزی زبان میں
" شائع ہوا۔ چندواڑہ کے اسیر فرنگ نے اس پر اپنے
عنایت ناموں میں نہایت تفصیلی تبصرہ کیا۔ راقم پر اُس وقت تک
"عقلیت" کی لعنت پوری طرح مسلط تھی۔ اُسے یہ دیکھ کر حیرت
پر حیرت ہوتی تھی، کہ کامریڈ کے اڈیٹر کی ایک ایک سطر عشق
رسول کے رنگ میں ڈوبی ہوئی ہی۔ اسیری اور آزادی،
گویائی و خاموشی، زمزمہ سنجی و زبان بندی کے انقلابات
اس جوہر کی تربیت کرتے رہے۔ سنہ ۱۹۲۳ء میں اس کی آب و
تاب اس درجہ کو پہنچ گئی کہ بعض وہ قلوب بھی جو الحاد و عقلیت کے
مرکز ظلمات تھے، پرتو نور سے جگمگا اُٹھے۔

نعت گو شعرا اُردو میں کثرت سے ہو چکے ہیں، اور بعض
کو شہرت عام سند امتیاز بھی دے چکی ہی (مثلاً محسن کاکوروی،
آسی غازی پوری) لیکن ان حضرات نے عموماً مناقب کے صرف
خارجی پہلوؤں پر قناعت کی ہی۔ اور ان کو بھی کثرت تکرار نے
کسی قدر بے لطف بنا دیا ہی۔ رُخِ انور کی تابانی، گیسوے
اقدس کی سیاہی، ابروئے مبارک کی کجی وغیرہ گنتی کے چند

بندھے ہوئے مضامین ہیں کہ انھیں کو اُلٹ پھیر کر یہ حضرات ہمیشہ باندھتے رہتے ہیں۔ جوہر کی شاعری چونکہ رسمی و تقلیدی نہیں، اس لیے اس نے اس باب میں بھی اپنے لیے ایک نئی راہ کا انتخاب کیا یعنی بجائے خارجیت کے داخلیت کو اپنا موضوع بنایا، اور بجائے آثار و شمائل کی نقاشی کے جذبات و واردات کی ترجمانی کی۔
یوسفؑ کا حُسن، لیلیٰ کی محبوبی مسلم، پھر بھی ان کے قصائد مدح میں قلب انسانی کو وہ لذت تو نہیں حاصل ہو سکتی ، جو زلیخا کی بیقراری اور مجنوں کی آہ و زاری کی داستان میں ہے۔ محمد علی کا اصلی موضوع حُسن کی رعنائی، جمال کی زیبائی نہیں، بلکہ وہ دل کی چوٹ عشق کی تڑپ، جذبات کے سوز کو سامنے لاکر رکھ دیتا ہے اور یہی اُس کے کلام کی تاثیر کا راز ہے۔ آقا لاکھ کریم و فیاض ہو، اس کے بیان میں وہ درد و اثر کیسے پیدا ہو سکتا ہے جو غلام کی جانب سے محتاجی و درماندگی کے عرضِ حال میں ہوگا۔
اس مجموعہ میں خالص نعتیہ اشعار تعداد میں چند ہی نظر آئینگے لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان چند میں سے ہر بجائے خود ایک دفتر ہے۔ دفترِ علم بے معنیٰ نہیں، دفترِ عشق بامعنیٰ۔
"دوا میرے لیے ہے"، "قضا میرے لیے ہے"، کی زمین میں مضامین

توحید سے لبریز غزل کہنے بیٹھتے ہیں کہ یاد آتا ہے، کہ کعبۂ خلیل کا طواف بغیر "آرام گاہ حبیب" کی آستاں بوسی کے، مذہب عشق میں معتبر نہیں فوراً قلم کی زبان درد و خوانی میں مشغول ہو جاتی ہے۔ ؎

اے شافع محشر جو کرے تو نہ شفاعت — پھر کون وہاں تیرے سوا میرے لیے ہے
کیوں ایسے نبیؐ پر نہ فدا ہوں کہ جو فرمائے — اچھے تو سبھی کے ہیں بُرا میرے لیے ہے[۱]

حضرت آسی غازی پوریؒ کا ایک پُرکیف مطلع ہے ؎

صبا تو جا کے یہ کہیو میرے سلام کے بعد
تمہارے نام کی رٹ ہے خدا کے نام کے بعد

جوہر بھی اسی بئے میں کچھ الاپتے ہیں ؎

تمہارے فضل کے ہو کے یقین کہتے ہیں — کہ عید آ گئی بیشک مہِ صیام کے بعد
زمیں سے چھٹ گئے جبرئیل بھی قیامت تک — کہ وحی بند ہوئی سید الانام کے بعد

کلام جدید میں اشعار ذیل عاشق رسولؐ ہی کی زبان سے نکل سکتے ہیں ؎

الٰہی شکر ترا پھر مہ صیام آیا — مہ صیام نہیں عید کا پیام آیا
گھڑی وہ کیسی مبارک تھی کُل جہاں کے لئے — حرا میں عرش سے اقرا کا جب پیام آیا

[۱] حدیث مروی ہے۔ انا لھم ان لی حشر میں بدکاروں کا ساتھ میں دونگا

جب اپنی پوری جوانی پہ آگئی دُنیا — تو زندگی کے لیے آخری نظام آیا

میں اُس پہ بھیجوں درود و سلام کس منہ سے — کہ جس کے نام خود اللہ کا سلام آیا

نبی سے ملتے ہیں اسلام کی سپر تنہا وہی — جو بن کے کفر کی شمشیر بے نیام آیا

سارے مجموعہ کی جان وہ غزل ہے، جو بیجاپور جیل میں اسی سال موزوں ہوئی ہے۔ ان اشعار کو پڑھنا، اور ذرا فیصلہ کرنا کہ شاعر الفاظ کو مرتب کر رہا ہے، یا عاشق پارہ ہائے جگر کو خوان عشق میں لگا رہا ہے یہ جذبات بیسویں صدی عیسوی کے ایک "نیچری" کے ہو سکتے ہیں، یا خیر القرون کے ابرار و اخیار کے؟ ذالك فضل الله يوتيه من تشاء ۔

تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں — اب ہونے لگیں اُن سے خلوت میں ملاقاتیں

ہر آن تسلی ہے ہر لحظہ تشفی ہے — ہر وقت ہے دلجوئی ہر دم ہیں مداراتیں

کوثر کے تقاضے ہیں تسنیم کے ہیں وعدے — ہر روز یہی چرچے ہر رات یہی باتیں

معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیت — اک فاسق و فاجر میں اور ایسی کراماتیں

بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بلا بھیجیں — بھیجی ہیں درودوں کی کچھ ہم نے بھی سوغاتیں

قابل رشک ہے وہ صفائے قلب جس پر ان تجلیات کا ظہور ہو، مستحق مبارکباد ہے وہ سینہ جو اس بار امانت کا متحمل ہو، اور لائق صد تکریم و احترام ہے، وہ ذوق ایمان، وہ عشق خدا، اور وہ عشق رسول، جو خاک کو پاک

ذرّہ کو آفتاب، اور فاسق کو ولی بنا دے۔

جوہر کے جوہر معنوی پر ایک سرسری نظر ہو چکی، لیکن شاعری کا تعلق محض قلب ہی سے نہیں زبان سے بھی ہے۔ اور محمد علی تو یقیناً صاحب دل ہونے کے ساتھ صاحب زبان بھی ہیں۔ انکا مخصوص پیام دعوتِ ایمان ہے۔ لیکن اس پیام کو جس شیرینی و شستگی کے ساتھ وہ ادا کرتے ہیں، وہ بجائے خود ایک چیز ہے "عام عاشقانہ مضامین کو جس قدرت فن کے ساتھ وہ ادا کر جاتے ہیں۔ اس پر ادبیت ناز کرتی ہے، اور خوش بیانی اس سے مزہ لیتی ہے۔

شوخیِ بیان، لطفِ زبان، حُسنِ ادا، رنگین خیالی، اور عاشقانہ مضمون آفرینی کا اگر نمونہ دیکھنا ہے، تو اشعار ذیل پر ایک نظر کرتے چلیں ؎

خوگر جور یہ تھوڑی سی جفا اور سہی — اس قدر ظلم پہ موقوف ہے کیا اور سہی

کشورِ کفر میں کعبہ کو بھی شامل کر لو — سیکھ کے واسطے تھوڑی سی فضا اور سہی

ہم وفاکیشوں کا ایماں بھی ہے پیرو ۔انہ صفت — شمعِ محفل جو وہ کافر نہ رہا اور سہی

جینا وہ کیا کہ دل میں نہ ہو تیری آرزو — باقی ہے موت ہی دلِ بے مدعا کے بعد

تجھ سے مقابلہ کی کسے تاب ہے ولے — میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد
اک شہر آرزو پہ بھی ہونا پڑا خجل — ھل من مزید کہتی ہے رحمت دعا کے بعد
لذت ہنوز مائدہ عشق میں نہیں — آتا ہے لطف جرم تمنا سزا کے بعد

ہے رشک کیوں یہ ہمکو مے خوار دیکھکر — دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر
اس شان امتیاز کو دیکھو کہ اہل کفر — مومن سمجھ رہے ہیں ہمیں خوار دیکھ کر
تیر نگہ نے کر دیا دونوں کا فیصلہ — باہم دل و جگر کی یہ تکرار دیکھ کر
ہر سینہ آج ہے ترے پیکاں کا منتظر — ہو انتخاب اے نگہ یار دیکھ کر

یاد وطن نہ آئے ہمیں کیوں وطن سے دور — جاتی نہیں ہے بوئے چمن کیا چمن سے دور
آساں نہ تھا تقرب شیریں تو کیا ہوا — تیشہ کو کوئی رکھ نہ سکا کوہکن سے دور
ہے بعد کربلا سے بھی قرب یزید بھی — اور چاہتے یہ ہیں کہ نہ ہوں پنجتن سے دور
ہیں اتنے لاف شوق پہ مرعوب حسن بھی — یہ طائفہ عجیب ہے اک مرد و زن سے دور

مولانا محمد علی کی شاعری کی ابتدا کیونکر ہوئی؟ کس سے تلمذ ہے؟ درمیانی مدارج ارتقا کیا کیا طے ہوتے رہے؟ وہ خود اپنی شاعری کی بابت کیا رائے رکھتے ہیں؟ خوش قسمتی سے ان تمام سوالات

جواب خود موصوف کے قلم سے اُن کے اُس عنایت نامہ میں
موجود ہے، جو ۱۶ راگست سنہ ۱۹۱۶ء کو چندواڑہ سے راقم سطور
کے نام لکھا تھا، اور جس کے ساتھ اپنی متعدد غزلیں بھی عنایت
کی تھیں۔ ذیل میں ان کے مکتوب گرامی کے اس جزو کو تمام و
کمال نقل کیا جاتا ہے جو ناظرین کے لیے یقیناً خاص دلچسپی کا باعث
ہو گا۔

"آپ میری شاعری کا کیا پوچھتے ہیں۔ بچپن میں تو بہت سے
سامان ایسے بہم ہو گئے تھے کہ میں آج زلف و ابرو کی تعریف میں
خاصے شعر نکال لیا کرتا رامپور میں اُس زمانہ میں پیدا ہوا تھا۔
جب گھر گھر مشاعرہ ہوتا تھا، داغؔ، امیرؔ، تسلیمؔ، جلالؔ، عروجؔ،
دہلی اور لکھنؤ کے آسمانوں کے ٹوٹے ہوئے ستارے سب رامپور
کے آسمان سے نور افشانی کر رہے تھے، خود میرے خاندان میں بھی
شعر گوئی کا ذوق ہوا تین چار عزیز اُستاد داغ کے شاگرد ہوئے
جن میں ایک میرے حقیقی بھائی ذوالفقار علی خاں صاحب گوہرؔ اور
میرے چچا زاد بھائی اور خسر عظمت علی خاں صاحب مرحوم اُنکے بھائی حافظ
احمد علی صاحب شوقؔ شامل تھے گھر پر بارہا مشاعرہ ہوا، کبھی
داغ کو نواب کلب علیخاں صاحب مرحوم نے جن کی نظر ہمیشہ کیمیا کا

شعاری پر رہتی تھی، ازراہ پرورش سرکاری اصطبل کا داروغہ بھی کر دیا تھا، تاکہ وظیفہ محض کار بیکاران کی نذر نہو، یہ میرے مکان کے عقب میں تھا، اس لیے روز انکی زیارت یوں ہی ہو جاتی تھی، اور اب اُس بذلہ سنج کے شعر کا لُطف اُٹھاتا ہوں۔ جس نے داغ کے اس تقرر پر کہا تھا (ممکن ہے کہ تاریخ بھی نکلتی ہو) کہ

آیا دہلی سے ایک مُشکی خر ؛ آتے ہی اصطبل میں داغ ہوا،

(داغ کی غزل یاد کیجیے ۔

کل آج رخصت جہاں سے داغ ہوا ؛ خانۂ عشق بے چراغ ہوا)

اِس پر مستزاد یہ کہ ذوالفقار روزانہ داغ کے گھر جاتے تھے جو ہمارے مکان سے دور نہ تھا، اور مجھے بھی لیجاتے تھے۔

داغ نے پہلے دن پوچھا کہ کہو کچھ شعر بھی یاد ہیں، میری عمر بہت ہی کم تھی، مگر بھائی نے کچھ شعر یاد کرا دیے تھے، جنھیں میں نہایت زور اور شان سے کڑک کڑک کر پڑھا کرتا تھا، میں نے داغ ہی کے چند شعر اُنھیں سُنا دیے سُنکر پھڑک گئے۔ اور اُس کے بعد ہمیشہ اصرار رہا، کہ اُس بچہ کو ضرور لایا کرو۔ جناب والا اس کے بعد اگر میں یہ دعویٰ بھی کروں۔ کہ شعر و سخن کے گود میں پلا ہوں۔ تو بیجا نہو گا۔ مگر میرا دعویٰ تو اس سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے، سنیئے، میں نہ صرف شعر و سخن

کی گود میں پلا ہوں۔ بلکہ اُس کی توند پر کودا ہوں۔ اُسے ہاتھی بنا کر پیٹھ پر سوار ہوا ہوں۔ غرض کوئی بے ادبی یا گستاخی باقی نہیں رہی ہے جو میں نے شعر و سخن کی شان میں نہ کی ہو۔

میری پیدائش ۱۸۷۰ء کے اواخر کی ہے۔ میں نے دس برس ہی کی عمر میں بہت سے لغو و فضول شعر مگر بامعنی اور موزوں کہے تھے اور اچھا ہوا کہ اب کسی کو یاد نہیں ورنہ جب میرے Official Biography (یعنی گورنمنٹ کی طرف سے نہیں بلکہ بقول آپ کے میری "اُمّت" کی طرف سے) لکھنے کا وقت آتا۔ تو میرے سیرۃ نگار کو سخت مشکل کا سامنا ہوتا کہ اس لچر پوچ کو ردی دان بلکہ آتشدان کے نذر کیا جائے۔ یا سیرۃ پیشوائے قوم و ملک میں جگہ دیجائے، ہمدرد کے سنسر نے (جن کا چند ماہ کے بعد ہی انتقال یکایک ہوگیا) تو ہمدرد میں سے (ایک بار چڑیا چڑ ونٹے کی کہانی کو بھی (جو محض امتحاناً درج کیگئی تھی) خارج کر دیا تھا اور اعتراض کیا گیا تو کہا کہ بھائی ہے تو چڑیا چڑونٹی ہی کی کہانی اور مطلب بھی صاف معلوم ہوتا ہی، مگر ہمدرد والوں سے ڈر ہی لگتا ہے۔ اور ردّی کا معاملہ ہی، نہ معلوم اس میں بھی کچھ زہر بھر دیا ہو، اور جوابدہی ہمارے سر آپڑے۔

آپ نفسیات کے ماہر ہیں، کیا ممکن نہیں کہ میرا بوجھنے والا سیرۃ نگار
باوجود نقادِ سخن ہونے کے محض بطل پرستی کے باعث یہ خیال
کرنے لگتا۔ کہ نہ معلوم کیا کیا اسرار اِس بظاہر لچر پوچ میں پوشیدہ
ہیں۔ اور آنیوالی نسلیں ممکن ہے کہ اس سے بھی زیادہ روشن ضمیر
ہوں اور اُن اسرار سے واقف ہو کر دنیا کو نئے نئے معلومات اور
عجیب عجیب انکشافات سے مالا مال کر دیں۔ اس لیے بہتر ہے
کہ انہیں داخل ہی کر دو۔ اور اسی طرح ہمیشہ کے لیے میری لچر
گوئی باقی رہتی اور قیامت کے دن اُستاد داغ میرا دامن پکڑتے
کہ خود بھی بدنام ہوئے اور ہمیں بھی بدنام کیا۔ خیر اب سُنئے کہ
گیارہ برس کی عمر میں میں علیگڈھ گیا۔ ایک بڑے بھائی نے میری
موزوں گوئی کا ذکر مولانا شبلی مرحوم سے کیا۔ دوسرے نے
میرے حافظہ کی تعریف کی کہ "المامون میز پر رکھا تھا۔ اُٹھا کر
پڑھنے لگا۔ اور ایک دن میں نے امین کے قتل پر جو مرثیہ
ہے۔ اُس کا ایک شعر عربی کا پڑھا۔ تو اُس کا مجھے ترجمہ سُنا
دیا۔ حالانکہ عربی سے بالکل ناواقف ہے"۔ مولانا کو یقین نہ
آیا۔ اور امتحان کی غرض سے ہم بلائے گئے پہلے مامون کی اولاد
کی فہرست مانگی۔ پھر اُس کا حلیہ پوچھا جب اس میں پاس ہو گئے

تو ایک مصرعۂ طرح اُسی وقت دیا - اور کہا کہ شعر لکھو - چیزے از قسم لیچر لوچ
اُسی وقت تیار ہو گئی میرا خیال ہے کہ مولانا مرحوم پر تو جو سکہ بیٹھ گیا
تھا وہ اسی لیچر پوچ کا تھا - میں اسکول ہی میں تھا - کہ ایک نظم انعامی
میں نے بھی لکھی - اور مولانا حکم ٹھہرے - انعام تو ایک کہنہ مشق بزرگ
کو ملا - مگر ہمارے لیچر گوئی کا بھی خاصہ شہرہ ہوا - اکثر ایسا ہوا کہ
ذوالفقار بھائی نے کوئی نظم لکھدی - اور ہم نے اپنی طرف سے
پڑھ دی - مگر جب عمر ذرا زیادہ ہوئی - تو امتحانوں نے فرصت نہ
دی - کالج میں البتہ آخری سال سجاد حیدر کی صحبت میں شعر و سخن
کا چرچا رہا - پہلے بھی جب ہم لوگ انٹرنس میں تھے - تو ایک نظم
تین شعرائے باکمال نے حاجی اسمٰعیل خاں صاحب (تربیت الدجاج
دیونین جاپ والے) کی دعوت کے شکریہ میں تیار کی تھی، اُن میں
سے ایک یہ خاکسار تھا - ایک سجاد حیدر صاحب اور ایک سید وزیر حسن
صاحب، آنریبل و آزمودہ کار سکرٹری مسلم لیگ کے برادر اصغر
خیر ایک سال آخری کالج میں خوب گزر گیا - اردو مشاعرہ جسے بعد
حسرت نے رونق بخشی ہم لوگوں ہی کا ایجاد کردہ تھا - چودھویں کو
ہوا کرتا تھا - اور شمع پیش نہ کی جاتی تھی، کرکٹ کا لان   جائے
مشاعرہ تھا - ایک بار چودھویں کو بارش ہو گئی تو تین چار دن مطلع

صاف ہونے کی راہ دیکھ کر ڈرائنگ ہال میں کیا گیا۔ اس وقت میں
نے اپنی ایک غیر طرح میں اس شعر کا بھی اضافہ کر دیا ۵
فرش زمردیں نہیں وہ چاندنی نہیں پہ لطفِ مشاعرہ تو گیا چودھویں کے ساتھ
علیگڑھ کالج میں شاعری تو کچھ کی مگر وہی فرضی معشوق۔ اگر کچھ
اصلیت تھی بھی تو اتنی ہی جتنی ایران کی شاعری کو "دُرِ سبزۂ خط"
وغیرہ کو ایک حد تک بامعنی کر دیتی ہے۔ کالج چھوڑا تو ولایت جانا ہوا
یہاں البتہ شاہدانِ اصلی کی کمی نہ تھی۔ مگر ذوقِ نظارۂ جمال لاکھ
سہی اور گرہ میں مال بھی سہی تاہم طبیعت کا میلان خلافِ دستور
عام زُہد و تورع کی طرف تھا۔ دو برس کے قریب تو ہندوستان
کے کچے دھاگے نے باندھے رکھا۔ دو برس کسی اور کے خیال نے
مگر یہ آخری خیال بھی باعصمت تھا اور محض حالاتِ گرد و پیش کا
تقاضا اس کا محرک تھا۔ جب ان سب تجربوں کے بعد "کپڑے
پھاڑے گھر کو آئے" تو تاہل کی زندگی بال بچوں کے خیال نے
شاعری سے مستغنی نہیں تو غافل ضرور کر دیا گذشتہ چند سالوں میں
اگر کچھ ترشح شاعری کا ہوا۔ تو وہی قومی مرثیہ مگر زیادہ تر رسمی۔
البتہ پچھلے دو تین برس میں عشقِ حقیقی رنگ لایا ہے۔ اور تغزّل کا
زور ہے۔ یہ اپنی تنگ آپی ہے کہ سوائے چار یا پانچ غزلوں کے

اُس فرصت کے زمانہ میں بھی کچھ نہ لکھ سکا۔ لکھنے کے لیے نہ بیٹھتا ہوں
نہ کوشش کرتا ہوں۔ مگر جب طبیعت پر خود ہی کسی بیرونی تحریک کا
غلبہ ہوتا ہے۔ تو بغایت مجبوری کہہ لیتا ہوں۔ اور یہی ایک ذریعہ
(علاوہ تلاوت قرآن پاک کے) تسکین قلب کا رہ گیا ہے۔ چونکہ
آپ کا اصرار ہے۔ کہ پوری غزلیں لکھ بھیجوں۔ اس لیے یہ لکھے
بھیجتا ہوں ۔ Touch stone کی معشوقہ سے زیادہ
قابل قدر نہیں A poor thing but mine own
اب رخصت ہوتا ہوں اور تضیع اوقات کی معافی کا خواستگار ہوں

(غزلیں درج ہیں) یہ چند اشعار ہیں۔ ممکن ہے کہ یہ ......
بقول آپ کے میری "امت" ان سے کچھ تسکین پائے۔ بہرحال
خود مجھے ضرور کچھ نہ کچھ تسکین ہو جاتی ہے۔ مگر ان کو لٹریچر سے کیا تعلق
یہ صرف اپنی دست افشانی اور پاکوبی کے لیے ہیں"۔

عبدالماجد

دریاباد (بارہ بنکی)

رمضان المبارک ۱۳۴۱ھ

غزل تصنیف کردہ بزمانہ طالبعلمی درعلیگڑھ کالج ۱۸۹۷ء

کیوں مے پرست دیکھ کے مدہوش ہو گئے
شیشہ میں مے بھری تھی کہ اللہ کا نور تھا

کس زور کی لڑائی تھی اللہ رے کشمکش
تھی رات یاس اور دل ناصبور تھا

کیوں تابِ دید حضرتِ موسیٰ نہ لا سکے
کیا پہلوے عدو کی طرح کوہِ طور تھا

خوش قسمتی کے آگے جھکایا نہ سر کبھی
اس خانماں خراب کو کتنا غرور تھا

میں تیرا گھر سمجھ کے سرِ راہ گر پڑا
دیکھا جو آنکھ اُٹھا کے تو دروازہ دور تھا

دیگر علی گڑھ کالج ۱۸۹۷ء

مجھے انکار وصلِ غیر پر کیوں کر نہ تنگ گزرے

زباں کچھ اور بوئے پیرہن کچھ اور کہتی ہے
ذرا دم لے صبا، پھر سیرِ گُل دل کھول کر کرنا
ابھی یہ عندلیبِ کم سخن کچھ اور کہتی ہے
ارادہ تھا یہ نالوں کا ہلا دیں رُبعِ مسکوں کو
مگر، اے ہم نفس، دل کی تھکن کچھ اور کہتی ہے
یقیں آنے کو تو آجائے تیرے عہد و پیماں کا
تری آنکھ اے بتِ وعدہ شکن، کچھ اور کہتی ہے
قضا کس کو نہیں آتی ہے، یوں تو سب ہی مرتے ہیں
پر اس مرحوم کی بوئے کفن کچھ اور کہتی ہے
تری خاطر بھی ہے مدِ نظر، پاسِ عدو بھی ہے
مگر میں کیا کروں، دل کی جلن کچھ اور کہتی ہے
حرم میں کر تو دے اظہار ترکِ میکشی جوہر
مگر کمبخت کی بوئے دہن کچھ اور کہتی ہے

رائے بریلی اپریل ۱۸۹۸ء

غیر کا خط ہی کہ دل ہے کسی دلدادہ کا
کچھ تو ہی تم نے جو مٹھی میں چھپا رکھا ہے
یہ ستانے کی نکالی ہے انوکھی ترکیب
ظلم کا نام ستمگر نے حیا رکھا ہے
آپ آئے ہیں عیادت کو دم نزع عبث
جوہر خستہ ہیں اب کہیے تو کیا رکھا ہے

غزل تصنیف کردہ در قیام رائے بریلی اپریل ۱۸۹۸ء

بعد امتحان بی۔اے

کیا دل نے نکل کر خود ہی استقبال پیکاں کا
تواضع شرط ہی، رتبہ یہی کہتا تھا مہماں کا
ارادہ ہی طوافِ کعبہ کا اُس آفت جاں کا

خدا حافظ مسلمانوں تمہارے دین و ایماں کا

اسی کے منتظر ہیں ہم بھی جس کی تو ہے اے بلبل
بہار آنے پہ ہوگا فیصلہ دست و گریباں کا

نکالا پیر سے پر دل میں رکھا دشت وحشت نے
خدا کی شان ہی رتبہ ہو یہ خار مغیلاں کا

نہیں معلوم آئی تھی حیا کم بخت کو کس سے
کہ حسرت نے مرے داماں دل میں آ کے منہ ڈھانکا

صدائے آفریں سے تیری آنسو بجھ گئے دل کے
مگر پوچھا نہ تو نے حال کچھ بھی چشم گریاں کا

ابھی تک خیر ہے لیکن بہار آنے دے اے بلبل
بلا لائیگا تیرے سر یہ ہر غنچہ گلستاں کا

یہ کیا آئے ہوئے بیٹھے ہیں بالیں پر عیادت کو
اجل کو فکر ہے تجھ سے زیادہ میرے درماں کو

باقی ہے ابتک گو تیری محفل میں بیٹھا ہے
کہ رہ رہ کر خیال آتا ہے جوہر کو بیاباں کا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خوگرِ جور پہ تھوڑی سی جفا اور سہی
اس قدر ظلم پہ موقوف ہی کیا اور سہی

خوفِ غماز، عدالت کا خطر، دار کا ڈر،
ہیں جہاں لاکھوں وہاں خوفِ خدا اور سہی

عہدِ اوّل کو بھی اچھا ہے جو پورا کردو
تم وفادار ہو تھوڑی سی وفا اور سہی

جس نے ہنگامہ عدالت کا تری دیکھا ہی
اُس گنہگار کو ایک روزِ جزا اور سہی

کشورِ کفر میں کعبہ کو بھی شامل کرلو
سبزِ ظلمات کو تھوڑی سی فضا اور سہی

بندگی میں تو ہی سہتے ہی ہیں لُو کی لپٹیں
چند دن کے لئے دوزخ کی ہوا اور سہی

دین و دل جا ہی چکا جان بھی جاتی ہو تو جائے
ترکشِ کفر میں اک تیرِ قضا اور سہی

ربِ عزت کیلئے بھی کوئی رہنے دو خطاب
"تم خداوند ہی کہلاؤ" خدا اور سہی

حکم حاکم نہ سہی مرگِ مفاجات سے کم
مالک الملک پہ ایماں کی سزا اور سہی

ہم وفا کیشوں کا ایماں بھی ہے پروانہ صفت
شمع محفل جو وہ کافر رہا اور سہی
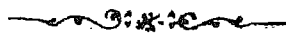
دورِ حیات آئیگا قاتل قضا کے بعد
ہے ابتدا ہماری تری انتہا کے بعد

جیتا وہ کیا کہ دل میں نہ ہو تیری آرزو
باقی ہے موت ہی دل بے مدعا کے بعد

تجھ سے مقابلہ کی کسے تاب ہے ولے
میرا لہو بھی خوب ہے تیری حنا کے بعد

اک شہرِ آرزو پہ بھی ہونا پڑا خجل
ھل من مزید کہتی ہے رحمت دعا کے بعد

لذت ہنوز مائدۂ عشق میں نہیں
آتا ہے لطف جرمِ تمنا سزا کے بعد

قتلِ حسینؑ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

غیروں پہ لطف ہم سے الگ حیف ہے اگر
یہ بے حجابیاں بھی ہوں عذرِ حیا کے بعد

ممکن ہے نالہ جبر سے رک بھی سکے مگر
ہم پر تو ہے وفا کا تقاضا جفا کے بعد

ہے کس کے بل پہ حضرت جوہر یہ وکشی
ڈھونڈینگے آپ کس کا سہارا خدا کے بعد

چند روزہ عیش ہے یہ جنبش شداد کا
اس طرح ہرگز نہ ہو گا فیصلہ بغداد کا

شورِ ماتم کے لیے تیار رکھ گوشِ مراد
ہے شرارِ خس یہ ہنگامہ مبارک باد کا

پہلے بھی اکثر وہ نکلا مستحق شکر حق
جسکو ہم سمجھے تھے موقع شکوہ و فریاد کا

نورِ حق وہ شمع انور ہے جو بجھ سکتی نہیں
ہے خدا حافظ چراغ رہ گزار باد کا

عزم عاشق ہے خود اپنی کامیابی کی دلیل
نام بھی لینا نہ ہرگز کوششِ برباد کا

ہم تو سمجھے تھے کہ ہونگے اور بھی ظلم و ستم
حوصلہ کچھ بھی نہ نکلا آپ کی بیداد کا

اسپہ کیا موقوف ہی کر اور بھی ظلم و ستم
کچھ بھی باقی ہو جو ظالم حوصلہ بیداد کا

کر دیا قیدِ قفس نے ہم کو آزادِ چمن
پاس کافی ہو چکا اب خاطرِ صیاد کا

حکم کے آگے ترے پہلے بھی اٹھ سکتا نہ تھا
بارِ احساں اور سر پر ہو گیا جلاد کا

دعوتِ مژگاں کی بھی جس میں نہ باقی ہو سکت
ایسے دیوانے کے گھر کیا کام ہے فصاد کا

گیارھویں کو فاتحہ دلوا دیا کرتے ہیں ہم
ہے اثر اتنا ہی یادِ حضرتِ بغداد کا

آج تک ہی ایک کنعانی سے شہرت مصر کی
فیض سے حسرت کے ہوگا نام فیض آباد کا

ہو گئے جو خود یہ کیسے بندۂ دامِ فریب
شور سنتے تھے بہت ہم حسرتِ آزاد کا

ہے رشک کیوں یہ ہم کو سر دار دیکھکر
دیتے ہیں بادہ ظرفِ قدح خوار دیکھکر

خوکردۂ ازل سے تجلّی طور کے
جھپکے گی آنکھ کیا تری تلوار دیکھکر

آساں پسندیوں سے ہیں بیزار اہلِ عشق
چھانٹا یہ مرحلہ بھی ہے دشوار دیکھکر

بن جائیگا یہ رشتۂ تسبیح[1] ایک دن
دھوکا نہ کھائیو کہیں زنار دیکھکر

اس شانِ امتیاز کو دیکھو کہ اہلِ کفر
مومن سمجھ رہے ہیں ہمیں خوار دیکھکر

جنسِ گراں تو تھی نہیں کوئی مگر یہ جان
لائے ہیں ہم بھی رونقِ بازار دیکھکر

تیرِ نگہ نے کر دیا دونوں کا فیصلہ
باہم دل و جگر میں یہ تکرار دیکھکر

[1] ہم رشتگی اہلِ وطن کا نشان ہے یہ

یہ کیا کہ سجدہ گاہ ہے ہر سنگِ آستاں
گھسنا جبیں کو خانۂ خمار دیکھکر

کچھ بھی تو ضبطِ گریہ نہ شبنم سے ہو سکا
بلبل کو فصلِ گل میں گرفتار دیکھکر

ہم خاصگانِ اہلِ نظر اور یہ قتلِ عام
جور و ستم بھی کر تو ستمگار دیکھکر

ہر سینہ آج ہے ترے پیکاں کا منتظر
ہو انتخاب اے نگہِ یار دیکھکر

یادِ وطن نہ آئے ہمیں کیوں وطن سے دور
جاتی نہیں ہے بوئے چمن کیا چمن سے دور

مست مئے الست کہاں اور ہوش کہاں
طرزِ وفائے غیر ہے اپنے چلن سے دور

گر بوئے گل نہیں نہ سہی یادِ گل تو ہے
صیّاد لاکھ رکھے قفس کو چمن سے دُور

کچھ بھی وہاں نہ خنجرِ قاتل کا بس چلا
روحِ شہید رہتی ہے نعش و کفن سے دُور

تقویٰ کے بعد خوف کہاں حزن پھر کہاں
عالم ہی اک جدا ہے وہ رنج و محن سے دُور

واعظ کا ارتداد نہ میرا ہے ترکِ کفر
کچھ بھی نہیں ہے ساقیٔ توبہ شکن سے دُور

پاداشِ جرمِ عشق سے کب تک مفر بھلا
مانا کہ تم رہا کیے دار و رسن سے دُور

ہے بُعدِ کربلا سے بھی قربِ یزید بھی
اور چاہتے ہیں یہ کہ نہوں پنجتن سے دُور

یوں رنج سے کو مواخذۂ حشر سے تو ہاں
مارو دیارِ غیر میں ہم کو وطن سے دُور

آساں نہ تھا تقربِ شیریں تو کیا ہوا
تیشہ کو کوئی رکھ نہ سکا کوہکن سے دور

مسلم اجل سے دور نہیں روزِ کربلا
رہتا نہیں برات میں دولہا دلہن سے دور

منقارِ عندلیب کو صیاد سی چکا
مانا کہ گوشِ گل ہے لبِ نالہ زن سے دور

اللہ رے نورِ چشمِ محبت کی جستجو
نکلا اسیرِ مصر نہ کچھ بھی وطن سے دور

ہم تک جو دورِ جام پھر آئے تو کیا عجب
یہ بھی نہیں ہے گردشِ چرخِ کہن سے دور

مفتیٔ مفت خوار کو سب کچھ حلال ہے
بوئے شراب شرک ہو پھر کیوں دہن سے دور

دستِ دراز کو ترے اُسے رندِ با صفا
رکھے خدا عمامۂ شیخِ زمن سے دور

تاویل بڑھ کے آقرب لِلکُفر ہو گئی
کچھ بھی نہیں ہے شیخ تُرے علم و فن سے دُور

ہیں اتنے لاف و شوق پہ مرعوب حُسن بھی
یہ طائفہ عجیب ہے اک مرد و زن سے دُور

تم تو ہو نذرِ عشق نہ لکھیں وہ مرثیہ
یہ بات ہے مروّت اہلِ سخن سے دُور

تم سے بعید تھا کہ بھلا دو اگرچہ ہم
ایک عمر ہو گئی کہ ہوئے انجمن سے دُور

شاید آج حسرتِ جوہر نکل گئی
اِک لاش تھی پڑی ہوئی گور و کفن سے دُور

ہر رنگ میں راضی برضا ہو تو مزا دیکھ
دُنیا ہی میں بیٹھے ہوئے جنت کی فضا دیکھ

ہے سنتِ اربابِ وفا صبر و توکل
چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ رضا دیکھ

وحشت زرہِ غربت میں اکیلا تو نہیں تو
بطحا کے مہاجر کا تو نقشِ کفِ پا دیکھ

تو طیرِ ابابیل سے ہرگز نہیں کمزور
بیچارگی پہ اپنی نہ جا شانِ خدا دیکھ

اس طرح کے جینے میں بھی مرنے کا مزا ہے
قسمت میں یہی ہے کہ ابھی راہِ قضا دیکھ

ہم کہہ نہیں سکتے وہ کریں چارہ گری بھی
حالِ دلِ بیمار طبیبوں کو سنا دیکھ

اللہ کے بانکوں کا بھی ہے رنگ نرالا
اس سادگی پر شوخیٔ خونِ شہدا دیکھ

یہ نورِ خدا کا ہے بجھائے نہ بجھے گا
کچھ دم ہے اگر تجھ میں تو آ تو بھی بجھا دیکھ

سمجھا بھی ہے کچھ تو کہ یہ ہی کس سے تمرّد
اللہ کو مان اپنی حقیقت کو ذرا دیکھ

ہوں لاکھ نظر بند، دُعا بند نہیں ہے
اللہ کے بندوں کو نہ اس درجہ ستا دیکھ

ہو حُسنِ طلب لاکھ مگر کچھ نہیں ملتا
ہو صدقِ طلب، پھر اثرِ آہِ رسا دیکھ

خو تیری دو روزہ، مرا پیماں ہے ازل کا
پابندِ جفا تو ہے تو میری بھی وفا دیکھ

عقبیٰ تو کہاں اُن نہیں دنیا کا بھی کچھ ٹھیک
اُس کافرِ بے فیض سے دل تو بھی لگا دیکھ

سونے کا نہیں وقت یہ ہوشیار ہو غافل
رنگِ فلکِ پیرِ زمانہ کی ہوا دیکھ

تشنہ لب ہوں مدّتوں سے دیکھیے
کب درِ مے خانۂ کوثر کھُلے

طاقتِ پرواز ہی جب کھو چکے
پھر ہوا کیا گر ہوئے بھی پر کھُلے

چاک کر سینہ کو پہلو چیر ڈال
یوں ہی کچھ حالِ دلِ مضطر کھُلے

رات تلچھٹ تک نہ چھوڑی تب کہیں
رازہائے بادہ و ساغر کھُلے

لو وہ آپہنچا جنوں کا قافلہ
پانوں زخمی، خاک منہ پر، سر کھُلے

ہوں جو کثرت ہی کے قائل اُن پہ کیا
رازِ فتحِ سبطِ پیغمبر کھُلے

رونمائی کے لیے لایا ہوں جان
اب تو شاید چہرۂ انور کھُلے

اب تو کشتی کے موافق ہے ہوا
ناخدا کیا دیر ہے لنگر کھلے

یہ نظر بندی تو نکلی ردِ سحر
دیدہ ہائے ہوش اب جا کر کھلے

اب کہیں ٹوٹا ہے باطل کا طلسم
حق کے عقدے اب کہیں ہم پر کھلے

اب ہوا ہے ماسوا کا پردہ فاش
معرفت کے اب کہیں دفتر کھلے

فیض سے تیرے ہی اے قید فرنگ
بال و پر نکلے قفس کے در کھلے

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر
مر کے جوہرؔ آپ کے جوہر کھلے

خاک جینا ہے اگر موت سے ڈرنا ہے یہی
ہوسِ زیست ہو اس درجہ تو مرنا ہے یہی

قلزمِ عشق میں ہیں نفع و سلامت دونوں
اس میں ڈوبے بھی تو کیا پار اُترنا ہے یہی

قیدِ گیسو سے بھلا کون رہے گا آزاد
تیری زلفوں کا جو شانوں پہ بکھرنا ہے یہی

اے اجل تجھ سے بھی کیا خاک رہیگی اُمید
وعدہ کر کے جو ترا روز مُکرنا ہے یہی

اور کس وضع کی جویاں ہیں عروسانِ بہشت
ہیں کفن سُرخ شہیدوں کا سنورنا ہے یہی

حد ہے پستی کی کہ پستی کو بلندی جانا
اب بھی احساس ہو اس کا تو اُبھرنا ہے یہی

تجھ سے کیا صبح تلک ساتھ نبھیگا اے عمر
شبِ فرقت کی جو گھڑیوں کا گذرنا ہے یہی

ہو نہ مایوس کہ ہے فتح کی تقریب شکست
قلب مومن کا مری جان نکھرنا ہے یہی
نقد جاں نذر کرو سوچتے کیا ہو جوہر
کام کرنے کا یہی ہے تمہیں کرنا ہے یہی

تم یوں ہی سمجھنا کہ فنا میرے لیے ہے
پر غیب سے سامانِ بقا میرے لیے ہے
پیغام ملا تھا جو حسینؑ ابن علیؑ کو
خوش ہوں وہی پیغامِ قضا میرے لیے ہے
یہ حورِ بہشتی کی طرف سے ہے بلاوا
لبیک! کہ مقتل کا صلا میرے لیے ہے
کیوں جان نہ دوں غم میں ترے جبکہ ابھی سے
ماتم یہ زمانے میں بپا میرے لیے ہے

میں کھو کے تری راہ میں سب دولتِ دُنیا
سمجھا کہ کچھ اس سے بھی سوا میرے لیے ہے

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے

سرخی میں نہیں دستِ حنا بستہ بھی کچھ کم
پر شوخیِ خونِ شہدا میرے لیے ہے

راحل ہوں مسلمان بصد نعرۂ تکبیر
یہ قافلہ، یہ بانگِ درا میرے لیے ہے

انعام کا عقبیٰ کے تو کیا پوچھنا لیکن
دُنیا میں بھی ایماں کا صلا میرے لیے ہے

کیوں ایسے نبیؐ پر نہ فدا ہوں کہ جو فرمائے
اچھے تو سبھی کے ہیں بُرا میرے لیے ہے

اے شافعِ محشر جو کرے تو نہ شفاعت
پھر کون وہاں تیرے سوا میرے لیے ہے

اللہ کے رستے ہی میں موت آئے مسیحا

اکسیر یہی ایک دوا میرے لیے ہے

اے چارہ گرو چارہ گری کی نہیں حاجت

یہ درد ہی دارو ے شفا میرے لیے ہے

کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف

کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے

جو صحبت اغیار میں اس درجہ ہو بیباک

اوس شوخ کی سب حزم و حیا میرے لیے ہے

ہے ظلم بہت عام ترا پھر بھی ستمگر

مخصوص یہ انداز جفا میرے لیے ہے

ہیں یوں تو فدا ابر سیہ پر سبھی مے کش

پر آج کی گھنگور گھٹا میرے لیے ہے

سینہ ہمارا فگار دیکھیے کب تک رہے
چشم یہ خونابہ بار دیکھیے کب تک رہے

ہم نے یہ مانا کہ پاس کفر سے کمتر نہیں
پھر بھی ترا انتظار دیکھیے کب تک رہے

اُمتِ احمدؐ کو ہے فضل کی تیرے اُمید
فضل کی اُمیدوار دیکھیے کب تک رہے

عشق سو وہ بھی ترا صبر طلب ہے بہت
صبر ہمارا شعار دیکھیے کب تک رہے

سب کو یہاں ہے فنا، ایک تجھے ہے بقا
یہ ستم روزگار دیکھیے کب تک رہے

حق کی کمک ایک دن آہی رہیگی ولے
گرد میں پنہاں سوار دیکھیے کب تک رہے

یوں تو ہے ہر سو عیاں آمدِ فصلِ خزاں
جور و جفا کی بہار دیکھیے کب تک رہے

دین پہ دُنیا فدا کرتے رہے مدّتوں
کفر پہ ایماں نثار دیکھیے کب تک رہے

رونقِ دہلی پہ رشک تھا کبھی جنت کو بھی
یوں ہی یہ اُجڑا دیار دیکھیے کب تک رہے

پہلے رہا دردِ دل مونسِ جاں مدّتوں
دردِ جگر اب کی بار دیکھیے کب تک رہے

زور کا پہلے ہی دن نشہ ہرن ہو گیا
زعم کا باقی خمار دیکھیے کب تک رہے

ماتمِ شبیر ہے آمدِ مہدی تلک
قوم ابھی سوگوار دیکھیے کب تک رہے
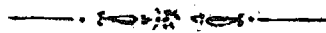
یہ جور نرالا یہ جفا اور ہی کچھ ہے
یہ ظلم نہیں نام خدا اور ہی کچھ ہے

ہوں لائقِ تعزیر پہ الزام ہے جھوٹا
مجرم تو ہوں بیشک پہ خطا اور ہی کچھ ہے

ہو مکر و دغا لاکھ شعارِ اہلِ ہوس کا
پر شیوہ اخوانِ صفا اور ہی کچھ ہے

سرکش نہیں باغی نہیں غدار نہیں ہم
پر ہم پہ تقاضائے وفا اور ہی کچھ ہے

ہم عیشِ دو روزہ کے بھی منکر نہیں لیکن
ایمائے شہِ کرب و بلا اور ہی کچھ ہے

خود خضرؑ کو شبیرؑ کی اس تشنہ لبی سے
معلوم ہوا آبِ بقا اور ہی کچھ ہے

ہوتے ہی ہیں بے مہریِ احباب کے شکوے
پر قاعدہ صبر و رضا اور ہی کچھ ہے

تاخیر میں کچھ حرج نہیں یہ تو بتا دو
ہے منتظرِ وصل بھی یا اور ہی کچھ ہے

اغیار کو ہو لذّتِ آغاز مبارک
انجامِ محبت میں مزا اور ہی کچھ ہے

کرنا نہ کبھی ان پہ گماں اہلِ ہوس کا
عشاق کی نسبت بخدا اور ہی کچھ ہے

نے سائلِ دولت ہیں نہ عزت کے طلبگار
اس در کے فقیروں کی صدا اور ہی کچھ ہے

اس شانِ تمرّد سے نہ کھانا کہیں دھوکا
اللہ کے مجرم کی سزا اور ہی کچھ ہے

یوں قید سے چھٹنے کی خوشی کس کو نہ ہوگی
پر تیرے اسیروں کی دعا اور ہی کچھ ہے

یہ صدر نشینی ہو مبارک تجھے جوہر
لیکن صلۂ روزِ جزا اور ہی کچھ ہے

فصلِ گُل کے متمنی تھے سبھی، پر اے چرخ
کیا ضروری تھا کہ اک مرغ گرفتار بھی ہو

عشقِ مجنوں کے لیے ناقۂ لیلیٰ کے سوا
شرط یہ بھی ہے کہ اِک وادیِ پُر خار بھی ہو

دست وپابستہ ہوں، سائل ہیں یدِ الٰہی کا
اسکی حاجت نہیں پھر ہاتھ میں تلوار بھی ہو

تشنہ کاموں سے ہی خود آج یہ ساقی کو گلہ
ہم تو دیں پر کوئی اِس مے کا طلبگار بھی ہو

یہ بھی کیا پیرویِ حق ہے کہ خاموش ہیں سب
ہاں اناالحق بھی ہو، منصور بھی ہو، دار بھی ہو

جاں فروشی کے لیے ہم تو ہیں تیار مگر
کوئی اِس جنسِ گرامی کا خریدار بھی ہو

(چھِنڈوارہ ۱۱ ستمبر سنہ ۱۹ وسی سنہ ۱۹ء)

وداعِ رمضاں

الوداع اے ماہِ رمضاں الوداع
بہترینِ غمگساراں الوداع

تجھ میں اترا آخری پیغامِ حق
تو ہی تھا شایانِ قرآں الوداع

ان دنوں تھا بحرِ رحمت جوش پر
اے زمانِ عفوِ عصیاں الوداع

الفراق اے ہمجلیسِ صائمیں
مونسِ شب زندہ داراں الوداع

آشکارا تجھ پہ تھا سب رازِ دل
پردہ دارِ دردِ پنہاں الوداع

تجھ سے تھیں وابستہ امیدیں تمام
دافعِ صد یاس و حرماں الوداع

قیدِ تنہائی کی رونق تجھ سے تھی
اے شریکِ بزمِ زنداں الوداع

غنچہ ہائے دل شگفتہ تجھ سے تھے
اے بہارِ باغِ ایماں الوداع

دُور کردی تو نے ظلمت قید کی
تجھ سے ہر شب تھا چراغاں الوداع

ہوتے ہیں اب رخصت افطار و سحر
میز بانہا سے مہماں الوداع

سونپنا تھا تجھ کو زادِ آخرت
ہو سکا پر کچھ نہ ساماں الوداع

کاروانِ خیر و برکت چلدیا
رہ گئے سب دل میں ارماں الوداع

شدتِ غم سے زباں گر بند ہے
تو ہی کہدے چشمِ گریاں الوداع

(غیر مطبوعہ کلام)

(کلکتہ ۹ر ۱۰ و ۱۱ ستمبر ۱۹۱۸ء)

اللہ نے بڑھائی ہے کیا شانِ کلکتہ
روحِ رسولؐ آج ہے مہمانِ کلکتہ

یثرب کی خاکِ پاک کے ہر ذرہ کیلئے
سو جان سے فدا ہیں غلامانِ کلکتہ

ہر سو ہیں لاشہ ہائے شہیدانِ سرخ پوش
ہے آج کل بہار پہ ایمانِ کلکتہ

تھا چونکہ خارِ راہ سے بیخوف اِس لیے
پھولوں سے بھر دیا گیا دامانِ کلکتہ

ہے شورِ آسمان و زمیں پر ہٹو، بچو
ہیں عازمانِ خلد شہیدانِ کلکتہ

اب تک فی نو نہیں تازہ ہے قالوا بلیٰ کی یاد
البتہ استوار ہے پیمانِ کلکتہ

ہو زورِ کفر و شرک سے مرعوب کس لیے
اللہ خود ہے جبکہ نگہبانِ کلکتہ

پہلے سے بڑھ کے آج ہے یہ پائے تختِ ہند
کُل ملک کی سر آنکھوں پہ فرمانِ کلکتہ

ہے امتحاں منافق و مومن کا دوستو
میزانِ حشر بن گئی میزانِ کلکتہ

سب جلد تر شریکِ صلوٰۃ و فلاح ہوں
سُن لی ہے اب ہر ایک نے آذانِ کلکتہ

احسان کی جزا نہیں احسان کے سوا
اُترے گا سر کے ساتھ ہی احسانِ کلکتہ

ہم سنتِ خلیلؑ کے پابند ہوں تو کیوں
پھولے نہ آگ ہی میں گلستانِ کلکتہ

تقلیدِ اہلِ بیت کریں ہم تو کیا عجب
میدانِ کربلا ہے میدانِ کلکتہ

مسرورِ خلد میں ہیں شہیدانِ کان پور
ہونگے شریک بزم شہیدانِ کلکتہ

شبلی سا شخص نوحہ گرِ کان پور تھا
لاریب آج تھا وہی شایانِ کلکتہ

دنیا سے اُٹھ گیا مگر اب امتیازِ شعر
جوہر سا شخص اور ہو شنا خوانِ کلکتہ

لیکن ہے اک خفیف سی نسبت سے کچھ امید
میں بھی کبھی تھا ایک مسلمانِ کلکتہ

آغازِ کلکتہ تو میسر ہوا ضرور
یارب نصیب ہو کہیں پایانِ کلکتہ

(چھندواڑہ ۱۳ ؍ ستمبر ۱۹۱۸ء)
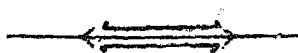
دہلی ۳۰ مارچ ۱۹۱۹ء

استعانت بالصبر (کلام غیر مطبوعہ)

کلمۂ حق ہے اگر وردِ زبانِ دہلی
مٹ سکیگا نہ کبھی نام و نشانِ دہلی

لب پہ آئے نہ کبھی شکوۂ جورِ اغیار
ہو زمانے سے الگ طرزِ فغانِ دہلی

للہ الحمد کشادہ ہے رہِ صبر و صلوٰۃ
ہو کے بیخوف بڑھیں راہ روانِ دہلی

سرفروشی کے لیے پیر و جواں ہیں تیار
آج رونق پہ ہے کس درجہ دکانِ دہلی

سنگریزوں سے زیادہ نہیں گولی چھرّے
یوں رکیگا نہ کبھی سیلِ روانِ دہلی

حق کے آتے ہی ہوا کعبہ سے باطل رخصت
چند دن اور ہیں دہلی میں بتانِ دہلی

چھندواڑہ ۱۰ اپریل ۱۹ء

ہائے غلام حسینؓ

ابھی مرنا نہ تھا غلام حسینؓ | کوئی دن اور بھی جیے ہوتے
کچھ تو انعام حق پرستی کے | ہم غریبوں سے بھی لیے ہوتے
اے مرے رندِ بادۂ حق کے | ابھی دو چار خُم پیے ہوتے
تم تو دل بھی فگار کر کے چلے | زخم ہائے جگر سیے ہوتے
یوں نہ دامن چھوڑ کے چلنے | تم گر اس بزم کے لیے ہوتے
تم کو ایسا ہی تھا اگر جانا | چند نعم البدل دیے ہوتے
تھی شہادت کی کس قدر جلدی | کام کچھ اور بھی کیے ہوتے
خوب کٹتا بہشت کا رستہ | ساتھ ہم کو بھی گر لیے ہوتے
تم ہی زندہ ہو لغو ہے یہ خیال | چند دن اور بھی جیے ہوتے

آج جو ہر ہیں دکھتے قاش فروش
کاش کچھ اور قافیے ہوتے

متفرقات

مستحقِ دار کو حکم نظر بندی ملا
کیا کہوں کیسی رہائی ہوتے ہوتے رہ گئی

تم تو کعبہ کے خدا تھے پھر نکالے کیوں گئے
اے بتو کیسی خدائی ہوتے ہوتے رہ گئی
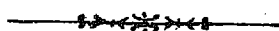
ایک ہی در کا بھکاری ہوں مجھے
اک فقط تیرا سہارا چاہیئے

دشمنوں سے گر تلطف ہے تو کچھ
دوستوں سے بھی مدارا چاہیئے

ہے تقاضائے جنونِ پردہ در
خاک اُڑا نا آشکارا چاہیئے

ہے وسے فرمودۂ غالب کا پاس
ضبط کا کچھ اور یارا چاہیے

چاک مت کر جیب بے ایامِ گل
کچھ ادھر کا بھی اشارا چاہیے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الٰہی شکر ترا ، پھر مہ صیام آیا
مہ صیام نہیں عید کا پیام آیا

ہزار ماہ سے بہتر ہے ایک رات اسکی
اسی مہینہ میں اللہ کا کلام آیا

گھڑی وہ کیسی مبارک تھی کل جہاں کے لئے
حرا میں عرش سے اقراء کا جب پیام آیا

جب اپنی پوری جوانی پہ آگئی دنیا
تو زندگی کے لئے آخری نظام آیا

میں اُس پہ بھیجوں درود و سلام کس منہ سے
کہ جس کے نام خدا اللہ کا سلام آیا

ہے زندگی تو اُسی کی جو مر مٹا دیں پر
یہی ہے کام کا اسلام کے جو کام آیا

ہو نفخِ صور تمھارے لیئے صدائے رحیل
ہو جاں بلب بھی تو کہہ دو ابھی غلام آیا
بنی سے ملتے ہی اسلام کے سپر تھا وہی
جو بن کے کفر کی شمشیرِ بے نیام آیا
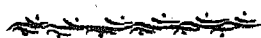
لاکھ حربے سہی ہر وضع کے شیطان کے پاس
ڈھال ایمان کی موجود ہو انسان کے پاس
ملک سمجھو اِسے یا مال، بچا ہے اک دین
اب تو بس اک یہی دولت ہے مسلمان کے پاس
لگتے ہی تیر تمھارا گئی یوں جان نکل
بیٹھ کر جاتی گھڑی دو گھڑی مہمان کے پاس
آدمیت ہے تو بنیاد ہے ہر خوبی کی
ہو نہ یہ بھی تو دھرا کیا ہے پھر انسان کے پاس

صحبتِ یار ہے اے دل تجھے گھر بیٹھے نصیب
پھر ترا کام ہے کیا حاجب و دربان کے پاس

خواہشیں نفس کی کرتے تو ہو پوری لیکن
اس سے بہتر نہیں آلہ کوئی شیطان کے پاس

ہم نے دِل بھر کے کچھ اِس طرح نکالے ارماں
کہ پھٹکتا نہیں دل جا کے اَب اَرمان کے پاس

مت سمجھنا انھیں کم مایۂ غنیٰ ہیں یہ لوگ
کنزِ مخفی ہے ہر اک صاحبِ ایمان کے پاس

جبہ سائی کی بھی کچھ ہوگی تمھیں کو امید
گالیاں کھاتے ہو جا جا کے جو دربان کے پاس
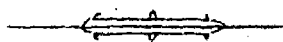
کیا ڈھونڈھتے ہو فصلِ خزاں میں بہار کو
اب وہ چمن کہاں ہے وہ رنگِ چمن کہاں

کشتوں کو تیرے کس نے کیا ہی سپردِ خاک
اِن میتوں کے واسطے گور و کفن کہاں

سنتے ہیں یہ بھی ایک بزرگوں کی رسم تھی
اس دورِ اعتدال میں دار و رسن کہاں

سُن لیجیے خلوتوں میں اَنا الحق کا ادّعا
سولی پہ چڑھ سنائے وہ اب نعرہ زن کہاں

فرصت کسے خوشامدِ شمر و یزید سے
اب ادعائے پیروئ پنجتن کہاں
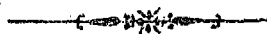
تنہائی کے سب دن ہیں تنہائی کی سب راتیں
ق
اب ہونے لگیں اُن سے خلوت کی ملاقاتیں

ہر آن تسلّی ہے ہر لحظہ تشفی ہے
ہر وقت ہے دل جمعی ہر دم ہیں مداراتیں

کوثر کے تقاضے ہیں تسنیم کے وعدے ہیں

ق

ہر روز یہی چرچے ہر رات یہی باتیں

معراج کی سی حاصل سجدوں میں ہے کیفیت

ق

اِک فاسق و فاجر میں اور ایسی کراماتیں

بے مایہ سہی لیکن شاید وہ بُلا بھیجیں

بھیجی ہیں درودوں کی کچھ میں نے بھی سوغاتیں

شیطان کی چالوں سے اب ہو گئے سب واقف

اب ہونگی اَلَمْ نَشْرَحْ ملعون کی سب گھاتیں

بیٹھا ہوا توبہ کی تو خیر منایا کر

ٹلتیں نہیں یوں جو ہر اِبن وِبس کی باتیں

ساز بھی چاہیئے کچھ اب سہ اُتارو دمِ ذبح

رقصِ بسمل ہے تو زنجیر کی جھنکار بھی ہو

کم سمجھتے ہیں غلامی کو جو یہ سمجھے ہیں
بت پرستی کا نشاں دوش پہ زنار بھی ہو

بت پرستی کا نشاں طوقِ غلامی کم ہے
کیا ضروری ہے کہ قشقہ بھی زنار بھی ہو

رہے آزاد، جو رہتا ہو، تمہیں کیا جو ہم
تم تو زندانیِ الفت ہو، گرفتار بھی ہو
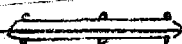
تمہارے فضل کے بھوکے یقین رکھتے ہیں
کہ عید آئے گی بے شک مہِ صیام کے بعد

ستم سے کچھ نہ ہوا، اب کھلا ستمگر پر
ابھی کچھ اور بھی باقی ہے قتل عام کے بعد

زمیں سے چھوٹ گئے جبریل بھی قیامت تک
کہ وحی بند ہوئی سید الانام کے بعد اشرف الانام

تمکین کرو سرِ تسلیم پہلے خم پئے قتل
کہ سر جھکاتے ہیں سب مقتدی امام کے بعد

سوزِ دروں سے جل بجھو لیکن دھواں نہ ہو
ہے دردِ دل کی شرط کہ لب پر فغاں نہ ہو

پھر ہو رہا ہے شورِ صلائے نبردِ عشق
ہاں اے دہانِ زخم جوابِ الاماں نہ ہو

بازارِ جاں فروش ہیں سودا نہ ہو یہ کیا
گاہک ملے تو جنس تو یہ بھی گراں نہ ہو

اس دردِ لا علاج کی کیوں کر دوا کروں
وہ حالِ دل نشیں بھی تو مجھ سے بیاں نہ ہو

کیا فائدہ گر اس نے چھپایا بھی زخمِ دل
یہ کام جیب سے کہ مژہ خونچکاں نہ ہو

کیا کیجے چمن کے مائدہ دل کو لخت لخت
تیرا ہی تیر سینے میں جب میہماں نہو

خوفِ رقیب کا تو یہ عالم اور اُس پہ عشق
سب چاہتے ہیں چاہ کا اُن پر گماں نہو

ہے وصلِ یار کی بھی تمنا کا حوصلہ
ڈر یہ بھی ہے کہ طبعِ عدو پر گراں نہو

پہلوے دل کو دیکھے وہ کہتے ہیں ناز سے
کیا آئیں گھر میں آپ ہی جب میزباں نہو

[illegible]

سنتے ہی جس کو خلق میں کہرام مچ گیا
جو ہو وہ تیری ہی تو کہیں داستاں نہو
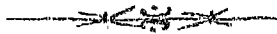
بے خوفِ غیر، دل کی اگر ترجماں نہو
بہتر ہے اس سے یہ کہ سرے سے زباں نہو
ہوں بے ہراس یہ مجھے رکھیں کسی جگہ
ڈر ہو وہاں کہ تیری حکومت جہاں نہو
اِک تو جو مہرباں ہو تو ہر اِک ہو مہرباں
اور یوں نہو بلا سے کوئی مہرباں نہو
ہم کو تو ایک تجھ سے دو عالم میں ہے غرض
سب بدگماں ہوا کریں تو بدگماں نہو
دیر و حرم میں ڈھونڈھ کے سب تھک گئے اُسے
اب کون کہہ سکے کہ کہاں ہو کہاں نہ ہو
کرنا ہی تھا حرام تو پھر وعدہ کس لیے
یہ کیا کہ مے حلال وہاں ہو یہاں نہ ہو
ہمت نہ ہار دے کوئی منزل کے سامنے
پروردگاریوں بھی کوئی ناتواں نہ ہو

ملنے تو پھر چلے ہو شبستانِ پناہ سے
قشقہ کا دیکھو آج جبیں پر نشاں نہ ہو

جو ہر اس ایکدل کے لیے اپنے مشغلے
کی ہے خدا کی چاہ تو عشقِ بتاں نہ ہو

اُس کو کیا خوفِ رہِ ظلمات ہے
جس کی رہبر خود خدا کی ذات ہے

نذرِ جاں دیں چل کے طیبہ، اپنے پاس
اُن کے لائق اِک یہی سوغات ہے

قیدِ تنہائی کا لذت آشنا
کیسے کہدوں تارکِ لذات ہے

دل سے ہوتی رہتی ہیں سرگوشیاں
اب یہی اِک مشغلہ دن رات ہے

کیا نہ ہوگی میری ہی حاجت روا

جس کا مولیٰ قاضی الحاجات ہے

تیرے بندے اپنے بھاری ہوں تو پھر

تیرا کیا کہنا تری کیا بات ہے

تیری رحمت پر ہو جس کا آسرا

اُس کو کیا حُزن و غم و آفات ہے

قید تنہائی میں بھی چھوڑا نہ ساتھ

نفسِ موذی بھی بڑا بد ذات ہے

ق

پرورشِ نفس پرستش کا بنے

پھر تو خود غرضی بھی خود لات ہے

مکرِ خیر الماکریں سے ہے عبث

اپنی چال اور آپ ہی کو مات ہے

شیخ تو جاسے توبہ کر گئی میں مگر

بہہ گئی توبہ شبِ مہ میں اگر

سوچتا ہوں سامنے برسات ہے

اب خدا چاہے ہوئی جاتی ہے خیر

ایسی بھی کیا صورتِ حالات ہے

لے چلے ہیں اُس کی رحمت کا یقیں

اپنی تو صاحب یہی اوقات ہے

شمعِ ایماں کو خدا روشن رکھے

قبر میں جوہر کی پہلی رات ہے

۷۳۷۱۶
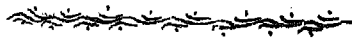
دیوان غالب اُردو

مطبوعہ برلن (جرمنی)

اس وقت تک دیوان غالب کے جس قدر مشہور اڈیشن

شایع ہوئے ہیں وہ لیتھو میں چھپے ہیں ہم نے خاص اہتمام و

کوشش سے دیوان غالب کو ٹائپ میں شائع کیا ہے جو جرمنی

کے مشہور مطبع کاویانی نے چھاپا ہے اس کتاب کی خوبی و صفائی

صرف دیکھنے سے ظاہر ہو سکتی ہے۔ قیمت صرف تین روپے

خریداری میں عجلت کیجئے ورنہ سب جلدیں نکل جائینگی

مہتمم مکتبہ جامعہ علیگڑھ

فارسی جدید

اور علوم قدیم کا وہ نادر خزانہ جو چند دنوں سے ناپید تھا اب مطبع کاویانی برلن (جرمنی) کی کوششوں سے ہم تک پہنچا ہے اور چونکہ تمام ہندوستان میں یہ کتابیں صرف ہمارے یہاں مل سکتی ہیں۔

لہذا وہ حضرات جو جدید فارسی کی کتابوں کے منتظر رہتے ہیں اور ایران جدید کے خیالات، وہاں کے فسانہ اور ڈرامے علمی کتابیں اور جدید مطبوعات دیکھنا چاہتے ہیں ہماری مفصل فہرست طلب فرمادیں۔ مطبع کاویانی کی خاص کتابوں کے نام یہ ہیں

۱- گلستان سعدی ۸/؏ | ۲- تیاتر- مرزا ملکم خاں ۸/؏
۳- سفرنامہ حکیم ناصر خسرو ۸/سے | ۴- دستور تار (فن موسیقی) لعہ
۵- موش وگربہ | ۵، ۶- تاریخ سنی ملوک الارض ۸/؏

المعلن (مہتمم مکتبہ جامعہ ملیہ علیگڑھ)

جامعہ

جامعہ ملیہ علی گڑھ کا ماہوار رسالہ ہے۔ جو
چھ مہینے کی قلیل مدت میں اپنے مخصوص علمی
وادبی سیاسی وسائینفک مضامین کے لیے
تمام ملک میں مشہور ہے۔ اُردو زبان میں رسالوں
کی کمی نہیں، لیکن کم ایسے رسالے ہیں جو علمی
حلقوں میں دلچسپی اور وقعت سے دیکھے گئے
"جامعہ" نے اس خدمت کو نہایت کامیابی سے
انجام دیا ہے۔ چندہ سالانہ للعہ

منیجر رسالہ جامعہ ملیہ علیگڑھ

مکتبہ جامعہ ملیہ علی گڑھ

بفضل خدا مکتبہ ہذا میں اُردو علوم و فنون کی جملہ مشہور و معروف کتابیں مثلاً تصانیف سرسید، شبلی، حالی، مولوی نذیر احمد، غالب، محمد حسین آزاد، نواب محسن الملک، مولوی چراغ علی اور جدید مصنفین مثلاً خواجہ حسن نظامی، مولانا راشد الخیری، مولوی عبد الحلیم شرر، مولانا حسرت موہانی، ڈاکٹر اقبال کی جملہ تصانیف ہر وقت موجود رہتی ہیں انکے علاوہ انجمن ترقی اُردو اورنگ آباد کی جملہ مطبوعات، دار المصنفین اعظم گڑھ کی تمام کتابیں، کاویانی پریس برلن کی فارسی مطبوعات، مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری کی جملہ تصانیف، خواجہ عبد الحی صاحب کی مشہور تفاسیر، مولانا رشید احمد صاحب مرحوم کی کتابیں۔ ہمارے یہاں ہر وقت مل سکتی ہیں۔ اور ہم انکے سول ایجنٹ ہونے کی حیثیت سے سب سے جلد اور سب سے ارزاں فراہم کر سکتے ہیں۔ مفصل فہرست مفت طلب فرمائیے

المشــــــتہر

مہتمم مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ علی گڑھ

پبلیشر مولوی نور الرحمٰن صاحب بی۔ اے

جامعہ

جامعہ ملیہ کے شعبہ تصنیف و تالیف کی زیر نگرانی جنوری سنہ ۱۹۲۳ء سے ایک ماہوار علمی رسالہ ۲۰×۲۶ کے پیمانہ پر کم از کم ۶۴ صفحے کے حجم میں اعلیٰ کاغذ کتابت و طباعت کے ساتھ شائع ہوتا ہے اور جو اپنے بلند پایہ علمی مضامین و قابل قدر مقالات سیاسی کے علاوہ ادبیات و مطبوعات جدیدہ کے لیے خاص طور پر مشہور ہے اور تھوڑے عرصہ میں اس نے ملک کے علمی رسائل میں ایک ممتاز درجہ حاصل کر لیا ہے جامعہ ملیہ کی علمی سرگرمیوں اور قومی تعلیم کی موجودہ رفتار کا صحیح اندازہ کرنے کے لیے بھی رسالہ "جامعہ" کا مطالعہ فائدہ اور دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

قیمت بہرحال بذریعہ منی آرڈر بھیجنے میں فائدہ اور سہولت ہے چندہ پیشگی چار روپیہ سالانہ۔ نمونہ ۶/ کا ٹکٹ بھیجکر منگوایا جا سکتا ہے۔

مہتمم شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ ملیہ اسلامیہ علیگڑھ

سے طلب فرمائیے

(مطبع ملیہ علی گڑھ)